قانون کا نفاذ صرف حکومت کا حق ہے

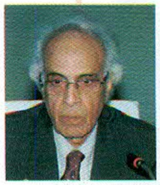

ڈاکٹر منظور احمد
سابق ریکٹر
اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
سے ڈاکٹر ناصر زیدی کا مکالمہ

شریعت سے آپ کی کیا مراد ہے؟

☆ قرونِ اوّل میں شرائع اور شریعت کی اصطلاح عام طور پر اسی معنی میں مستعمل تھی جن معنوں میں یہ قرآن کریم میں نازل ہوئی ہے۔ شریعت سے مراد زندگی گزارنے کا ایک طور طریقہ تھا۔ رفتہ رفتہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں شریعت کا لفظ ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے لگا اور یہ کلیتاً شخصی اور ملکی قوانین کے مترادف سمجھا جانے لگا۔ یہ قوانین مختلف ادوار میں مختلف فقہی نظاموں کی شکل میں قرآن اور سنت کے منابع علم سے استخراج کے طور پر تشکیل دیئے گئے۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت ان کے پاس یونانی فلسفہ اور منطق کی وساطت سے ایک عقلی طریقہ استدلال مہیا ہو گیا تھا اور چونکہ معاشرے میں نوعی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی اس لیے بڑی حد تک اس استخراجی طرز استدلال پر مبنی قوانین معاشرے کے لیے قابل عمل رہے۔ بعض مسائل میں جہاں نئی تبدیلی واقع ہو گئی تھی مثلاً خلیفہ یا امیر المومنین کے تقرر کا مسئلہ وہاں کسی نہ کسی طور پر فقہا نے اس استخراجی طرز استدلال کو کام میں لاتے ہوئے نظام حکومت کے لیے قانونی جواز فراہم کر دیا۔ آج کل عام طور پر شریعت کی اصطلاح اسی مجموعہ قوانین کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو مختلف فقہا نے مختلف زمانوں میں استخراجی طریقے پر حاصل کیا تھے۔

خلافت راشدہ کے بعد امورِ مملکت کو چلانے کے لیے شرعی نظام کے عملاً دو حصے ہو گئے۔ (ا) وہ امور جو بالکلیہ ریاستی معاملات سے متعلق تھے مثلاً خلیفہ کا انتخاب، کسی ملک پر یا قوم پر لشکر کشی، ریاستی امور میں مشورے کا طور طریقہ، بین الاقوامی تعلقات وغیرہ۔ یہ تمام امور عملاً اہل ریاست اپنے اصحاب الرائے کے مشورہ سے ہی طے کرتے رہے اور ان کے لیے وقتاً فوقتاً ضرورت پڑنے پر شرعی جواز فراہم کیا جاتا رہا۔ اسلامی تاریخ میں بعض تحریکات کو چھوڑ کر جہاں عوام کی ایک بڑی تعداد یا اور علماء نے کسی حکومت کے قیام کو فی نفسہٖ غیر اسلامی سمجھا ہو خال خال رہے ہیں۔ اور ان کے خلاف مسلّح جد و جہد کو بالعموم ایسی شرائط سے منسلک کر دیا ہے جن کا پورا ہونا تقریباً محال ہے۔ (۲) وہ معاملات جو باہمی تعلقات سے متعلق ہوں ان کے فیصلے عام طور پر قاضیوں کے ایک نظام کے تحت ہوتے رہے لیکن قاضیوں کا تقرر بھی ہر ملک میں سیاسی مقتدرہ ہی کرتی رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض علما نے اپنے آپ کو قاضیوں کے نظام سے علیحدہ رکھا اور اپنی توجہ زیادہ تر علم و تعلّم پر رکھی اور فقہی مسائل کے استخراج اور ایک محدود دائرہ میں اجتہاد کے کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھا۔ اس طرح وہ پورے معاشرے کو ایک بنیادی، علمی، اور قانونی ڈھانچہ مہیا کرتے رہے جو نظام عدل کو چلانے کے لیے اس وقت کے اعتبار سے ناگزیر تھا۔

شریعت اور حکومت کا باہمی تعلق کیا ہے؟

☆ شریعت اور حکومت کا تعلق ایک پیچیدہ معاملہ ہے اور اس کی کئی ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک صورت وہ ہے جو انگریزوں کے زمانے میں عملاً رہی جہاں قانون کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ قانون کا ایک حصہ شخصی اور عائلی معاملات سے متعلق تھا۔ مثلاً شادی بیاہ و وراثت وغیرہ اور اسی طرح کے دوسرے مسائل جو آپس کی رضامندی سے طے کیے جا سکتے ہوں۔ الّا آنکہ وہ کسی ملکی قانون کے متصادم ہوں غالباً یہ صورت ان مسلمانوں کے حسب حال ہو گی جو مغربی ممالک میں یا ایسے ملکوں میں موجود ہیں جہاں اکثریت غیر مسلموں کی ہے۔ قانون کا دوسرا حصہ ان دیوانی اور فوجداری معاملات سے متعلق تھا جہاں ملک کے شہریوں پر مذہب کی بنیاد پر تفریق روا نہیں رکھی گئی تھی۔ اس قانون کا بیشتر حصہ عملاً انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا۔ اگرچہ اس کو شرعی نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ شریعت سے اکثر جگہ متصادم بھی نہیں تھا۔

قانون کے نفاذ کا حق صرف حکومت وقت کو پہنچتا ہے اور کسی گروہ یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے کر بزورِ شمشیر فیصلے نافذ کرنا شروع کر دے۔

پاکستان میں نفاذ شریعت کی ممکنہ صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟

☆ پاکستان میں نفاذ شریعت کا مسئلہ ہمارے دستور میں طے کر دیا گیا ہے۔ ان دستوری دفعات کی تشکیل میں ملک کے، بحیثیت مجموعی، تمام متدین علماء کی آراء شامل کر لی گئی تھیں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں اولاً قرار دادِ مقاصد اور اس کے بعد وہ دستوری دفعات شامل ہوئیں ہیں جو اس ملک میں نفاذ شریعت کے مسئلے کو دستوری طریقے سے طے کر دیتی ہیں۔ اگر ان دفعات میں کسی قسم کا نقص پایا جاتا ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ دستور کی دفعات میں ترمیم یا تنسیخ کی جائے۔ پاکستان میں نفاذ شریعت کا ایک متعین دستوری طریقہ ہے اور اس سے روگردانی دستور کی خلاف ورزی میں شمار کی جائے گی۔ یہ دستوری طریقہ موجودہ صورت حال کے اعتبار سے مناسب ترین طریقہ ہے اور جب تک اس طریقے سے ممکنہ طور پر بہتر طریقہ پیش نہیں ہوتا اور دستور کا جز نہیں بنتا، ریاست کے علی الرغم، کوئی متبادل نظام شریعت کو نافذ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

کیا جدید قانون کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ بنایا جا سکتا ہے؟

☆ موجودہ قوانین جو ہمارے سامنے فوجداری اور دیوانی قوانین کی صورت میں موجود ہیں اس کا بیشتر حصہ اسلامی نظام عدل اور شریعت سے متصادم نہیں ہے۔ اور جہاں جہاں اس میں بہتری کی ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے یا جہاں یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ان قوانین میں ترمیم و تنسیخ کی جائے وہ ایک دیئے گئے نظام کے تحت ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔ جدید قانون کو شریعت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے جو طریقہ کار دستور میں موجود ہے وہ اطمینان بخش اور خود مکتفی ہے۔ ایک جدید ریاست میں اسی قسم کا نظام قابل عمل ہو سکتا ہے اور چل سکتا ہے۔

شریعت اور جمہوریت کے درمیان کس قسم کا رابطہ ہے۔ کیا جمہوری تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے نفاذ شریعت کی بات کی جا سکتی ہے؟

☆ شریعت اور جمہوریت کے بنیادی تصورات میں بظاہر ایک تضاد پایا جاتا ہے۔ جمہوریت قانون کے کسی تنزیہی منبع سے رجوع نہیں کرتی بلکہ انسان کے اپنے احساس عدل پر بھروسہ کرتی ہے اور کسی بھی گروہ انسانی سے یہ توقع رکھتی ہے کہ قوانین یکساں طور پر سب کو عدل فراہم کرنے کے لیے بنائے جائیں گے۔ شرعی نظام قانون ایک تنزیہی منبع پر بھی یقین رکھتا ہے اور نظام عدل کے قیام کے لیے وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس بنیادی فکری اختلاف کے علی الرغم دونوں میں عملاً کوئی تصادم اس لیے نہیں ہوتا کہ جمہوری قوانین کسی ملک کے باشندوں کی مجموعی افتادِ طبع کا نتیجہ ہی ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک میں جیسا کہ پاکستان ہے ایک کثیر اکثریت مسلمانوں کی ہے تو ان کے مزاج کا عکس ان کے نمائندوں کے انتخاب اور قانون سازی میں نظر آئے گا اور عملاً ایسے مواقع در پیش نہیں آئیں گے جہاں جمہوری طور پر بنائے گئے قوانین کسی فرد، جماعت، قوم، فرقے یا گروہ کے لیے غیر منصفانہ یا غیر شرعی ہوں۔ چونکہ رسل و رسائل میں ایک بڑی انقلابی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور دنیا میں بنیادی انصاف کے تقاضوں سے متعلق ایک اتفاق رائے پایا جاتا ہے اور پاکستان بھی اس اتفاق رائے میں شامل ہے اس لیے وہ بنیادی تضاد جو بظاہر شرعی اور جمہوری نظام میں پایا جاتا ہے محض ایک فکری نزاع رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ جدید کی جمہوریت کو انصاف کے ان تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں کوئی بڑی دقت پیش نہیں آئے گی جو اسلام بحیثیت مجموعی اپنے پیروکاروں کو عطا کرتا ہے۔ اور یہی کام اسلامی نظریاتی کونسل ملکی دستور کی روشنی میں سرانجام دے رہی ہے۔

نفاذ شریعت کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کے لیے کس قسم کی تیاری کی ضرورت ہے؟

☆ شریعت کے نفاذ کے لیے ایک ایسے معاشرے کا قیام ضروری ہے جہاں شریعتی قوانین کے نفاذ کو عوام کی رضا و رغبت سے ممکن بنایا جا سکے۔ ایک مرتبہ مولانا مودودی سے پوچھا گیا تھا کہ کیا شرعی قوانین فوری طور پر معاشرے میں نافذ العمل ہیں تو ان کا جواب یہ تھا کہ بلا کسی تیاری کے ان پر عمل کرنے سے مسائل میں اضافہ ہوگا اور پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ ان کا خیال بھی یہی تھا کہ پہلے معاشرے کو ایک ایسی بنیادی اخلاقی سطح پر لے آنا چاہیے جہاں وہ شریعت کے قوانین کی قبولیت کی استعداد رکھتا ہو۔ اصلاح کا یہ کام علمائے کرام کر سکتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں چونکہ اسلام کو ایک مکمل نظام حیات سمجھنے کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ علماء کو سیاسی اقتدار پر قابض ہونے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسلام

شریعت کے نفاذ کے لیے ایک ایسے معاشرے کا قیام ضروری ہے جہاں شریعتی قوانین کے نفاذ کو عوام کی رضا و رغبت سے ممکن بنایا جا سکے

کے نفاذ کو ممکن بنا سکیں۔ یہ تصور بنیادی طور پر بیسویں صدی کی اسلامی فکر کی پیداوار ہے اور اس سے پہلے اگرچہ خال خال سیاسی نوعیت کی اسلامی تحریکیں اٹھتی رہیں ہیں لیکن ان کا مقصد بجائے خود اقتدار پر قبضہ کرنا نہیں تھا بلکہ سلطانِ جائر کی بجائے سلطانِ عادل کو برسر اقتدار دیکھنا تھا۔ آج بد قسمتی سے ہمارے علماء اور ہمارے منبر و مساجد زیادہ تر سیاسی استیلا اور غلبے کے لیے استعمال ہونے لگے ہیں اور اس سے معاشرے میں ایک ایسا اخلاقی خلا پیدا ہو گیا ہے جہاں لوگوں کے سامنے بے نفسی اور بے غرضی کے وہ نمونے موجود نہیں ہیں جن پر چل کر وہ معاشرے کی اخلاقی سطح کو کم از کم اتنا بلند کر سکیں کہ اس میں شرعی قوانین کی قبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔